اورینٹل کالج میگزین، جلد۹۸، شمارہ۲، مسلسل شمارہ:۳۶۸، سال۲۰۲۳ء

جاگیر دارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کا ارتقا

خضریٰ تبسم، پی ایچ ڈی
اسسٹنٹ پروفیسر اردو
لاہور کالج برائے خواتین یونی ورسٹی، لاہور
ثوبیہ منظور
پی ایچ۔ڈی اسکالر (اردو)، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

EVOLUTION OF FEUDALISM
AND CAPITALISM SYSTEM

Khizra Tabassum, PhD
Assistant Professor of Urdu
LCWU, Lahore
Sobia Manzoor
PhD Scholar (Urdu)
University of the Punjab, Lahore

Abstract

On the first day, the earth has been the main source of livelihood for mankind. In this regard, agriculture is considered to be the first occupation. As well as meeting the needs of human food, the land is also the best source of income. The system created by the increase in thee sources of income is called the feudal system. Every ruler needs manpower for agriculture. Those who do not become rulers beecome subjugated and continue the process of agricultural production. The ruler becomes the owner of all income without participation. This process continued for centuries, which was transformed by the mechanized age of human development into a system of achieving better and faster production.Thus capitalism was introduced along with feudalism. This article presents the evolutionary stage of the journey of the capitalist system from the feudal system to the new World Order of the twentieth century.

Keywords:

Agriculture, Maternal Compassion, Civilization, Human Food, Feudal System, Sovereignty, Capitalism.

برصغیر پاک وہند کا معاشی مزاج بنیادی طور پر زرعی ہے۔ ابتدا میں پاکستان کا معاشی نظام مشترکہ ہندوستان کے تتبع میں زمین دارانہ رہا ہے اور آج بھی ملکی معیشت کا غالب انحصار زراعت پر ہے۔ اس کے باوجود مغرب کا پروردہ ایک بڑا طبقہ صنعتی معیشت پر نہ صرف قادر ہے بل کہ اسی نظام کا حمایتی بھی ہے۔ اس طرح پاکستان میں زرعی اور صنعتی نظام ہائے معیشت پائے جاتے ہیں۔ مقالہ میں ان دونوں معاشی نظاموں کا تعارف، تاریخی پس منظر اور ارتقاسے ہے۔

جاگیر دارانہ نظام کی بنیاد اُسی وقت پڑ گئی تھی جب پہلی دفعہ زمین کو کاشت کیا گیا اور اس سے فصل حاصل کی گئی۔ ابتدا میں وادیوں، دریاؤں کے کناروں اور پانی کے ذخائر کے قریب آباد کاری کے شواہد ملتے ہیں۔ چناں چہ ابتدائی کاشت کاری کی تاریخ کا تعلق ایسے ہی مقامات سے ہے جن میں عراق، مصر، روم اور سندھ کے علاقے شامل ہیں۔ اسی طرح جنگلوں کے باسی قبائل جزوی طور پر سیکڑوں جگہوں پر اپنی خوراک کی ضروریات قدرتی پھلوں اور سبزیوں کے علاوہ فصلیں کاشت کر کے پوری کرتے تھے۔ ان کے شواہد تمدنی تاریخ تک نامعلوم ہیں البتہ جب انسان انفرادی زندگی سے اجتماعی زندگی کی طرف بڑھا تو سب سے زیادہ اہمیت زراعت کو ملی۔ اس اہمیت کے پیش نظر مختلف اوزار ایجاد ہوئے۔ زمین کو کھودنے کے لیے جانوروں کو قابو کر کے کام لایا گیا۔

زرعی ترقی کثرتِ آبادی کے بہ موجب تیزی سے ارتقائی مراحل طے کرتی نظر آتی ہے۔ مختلف قسم کی ضروریات کی تکمیل کا انحصار پیداوار پر تھا۔ زرعی زمینوں پر کاشت کرنے والے خود کو ان کا مالک سمجھتے تھے۔ چناں چہ وقت کے ساتھ ساتھ ایک مربوط نظام تشکیل پایا جس نے جاگیر دارانہ نظام (Feudalism) کی بنیاد رکھی۔ فیوڈل ازم کا لفظ لاطینی زبان کے فیوڈالس (Feodalis) سے نکلا ہے جو کہ بعد میں مختلف زبانوں میں مختلف طریقوں سے رائج ہو گیا۔

New World Dictionary میں اس لفظ کی تعریف یوں درج ہے:

“The economics, Political and Social system in medieval Europe, in which land worked by serfs who were bound to it, was held by cassals enchange fro militrary and other services given to overlords.”(1)

ترجمہ: قرون وسطیٰ کے یورپ میں معاشی، سیاسی اور سماجی نظام، جس میں زمین پر غلاموں کے ذریعے کام کیا جاتا تھا، جو کہ فوجیوں اور حاکموں کو دی جانے والی دیگر خدمات سے بدلے جانے والے کیسل کے ذریعے منعقد کیا جاتا تھا۔

The New encyclopedia Britannica میں لکھا ہے کہ جاگیر داری ایک جابرانہ یا بادشاہی نظام ہے جس میں جاگیر دار مجبور اور بے بس کسانوں کا پولیس، عدالت، مالی اور دیگر طریقوں سے استحصال کرتا ہے۔(۲)

قومی انگلش اردو لغت میں ڈاکٹر جمیل جالبی جاگیر داری کی وضاحت یوں کرتے ہیں :

Feudalism جاگیرداری، تعلقہ داری، عہد وسطیٰ کا جاگیردارانہ نظام اور اس کی خصوصیات، زمین کی موروثیت کا زمین داری، وڈیرہ شاہی۔ (۳)

مذکورہ بالا تعریفات جاگیر دارانہ نظام کی ابتدا، وقت کے ساتھ اس کی بدلتی ہوئی اس کی اشکال، مختلف حالات کے مطابق مختلف تبدیلیوں کا اظہار اور ایک مکمل ارتقائی صورت حال کو واضح کرتی ہیں۔ ابتداً جاگیر دارانہ نظام کی دو صورتیں تھیں۔ اولاً، ایک وسیع رقبے کے حکم ران کے طور پر بادشاہ کا تصور سامنے آتا ہے جس نے محصولات کے حصول کے لیے بڑے علاقے کو چھوٹے علاقوں میں تقسیم کرکے اربابِ اختیار مقرر کیے۔ ثانیاً اس کی معکوسی صورت ہے یعنی زمین دار اپنے رقبے میں اضافہ کرکے ارباب اختیار میں شامل ہو جائے۔

جاگیر داری کے اثرات و مضمرات میں یہ دونوں صورتیں دیکھنے کو ملتی ہیں لیکن پہلی صورت زیادہ غالب ہے۔ درحقیقت یہ ایسا نظام تھا جس کے تحت کسان دوسروں کی زمینوں پر کاشت کرتے۔ ان کے مالکان تبدیل ہوتے رہتے۔ محنت کے بدلے انھیں پیداواری فوائد بھی پوری طرح ادا نہیں کیے جاتے تھے بل کہ ٹیکس، جرمانہ اور بیگار کی صورت میں ان پر مزید بوجھ ڈال دیا جاتا تھا۔

یہ چھوٹی ریاستیں جب سلطنت کی صورت اختیار کر لیتیں ہیں یعنی بہ زور طاقت دوسرے علاقوں پر قبضہ کرکے اپنے رقبے میں اضافہ کر لیتے تو وہ حکم ران علاقوں کو تقسیم کرکے ان جاگیروں کو اپنے حمایتیوں کو عطا کر دیتے جو جاگیر کی آمدنی کے عوض انھیں فوجی خدمت پیش کرتے تاکہ وہ ٹیکس کی وصولی آسانی سے کر سکیں۔ نیا فاتح آتا تو وہ اپنے حمایتیوں کو حکومتی عہدے عطا کرتا جب کہ پچھلی حکومت کے وفاداروں کو

تمام حقوق سے محروم کر دیا جاتا۔ یوں لوگ ہر حکم ران کے لیے وفاداری تبدیل کرنے لگے۔ جب کوئی امپائر ٹوٹتی تو چھوٹے لارڈز اپنے اپنے علاقوں پر قبضہ کر لیتے اور مرکزی حکومت کے احکامات ماننے سے انکار کر دیتے یوں وہ تمام آمدنی خود ہتھیا لیتے۔

حکم رانوں نے اس جبری تسلط کو متوازن کرنے کے لیے معیشت میں مذہب کا ادخال کیا اور مفلوک الحال طبقے کو قناعت اور صبر کا درس دیا گیا چوں کہ مذہب انسان کی بنیادی ضرورت تھی۔ عوام الناس نے مذہبی معاملات میں دخل اندازی سے اس لیے گریز کیا کہ وہ آئندہ یعنی مرنے کے بعد کی زندگی سے خوف زدہ تھے۔ اس عہد میں چرچ استعاراتی طور پر مذہب کی نمائندگی کرتا ہے اور چرچ کے تمام معاملات جاگیر دارانہ طبقے کے ذریعے سے پورے کیے جاتے تھے چناں چہ مذہب سے متعلق جاگیر داروں کے لیے جنت کا لالچ اور عام لوگوں کے لیے دوزخ کے خوف نے جنم لیا۔ رفتہ رفتہ چرچ کا عمل دخل ریاستی انتظامات پر بہ راہِ راست ہونے لگا جس نے امیر طبقے کو مزید خود مختار اور بااختیار بنا دیا جب کہ محکوم طبقہ پہلے سے زیادہ زیر بار ہو گیا۔ یوں حاکم اور محکوم، امیر اور غریب کے درمیان ایک تیسرے طبقے نے انتہائی مضبوط بنیادوں پر اپنی جگہ بنائی۔ اس طرح جاگیر دار معاشرے کے تین بڑے اور حاکم طبقے بن گئے۔ ایک مذہبی طبقہ، دوسرا جنگ جو طبقہ اور تیسرا جاگیر دار طبقہ۔ ان تینوں طبقات کے باعث سب سے زیادہ استحصال کسان اور عام آدمی کا ہوا یا بالفاظ دیگر جو ان تینوں سے متعلق نہ تھا۔

جاگیر دارانہ نظام میں جو کچھ بھی پیدا ہوتا تھا وہیں استعمال کر لیا جاتا تھا۔ گاؤں کی معیشت خود کفیل تھی جہاں مزارعے جاگیر دار کے لیے کام کرتے تھے۔ یہ لوگ جو کماتے وہ جاگیر دار لے جاتا اور ان کو بس اتنا ملتا کہ وہ بنیادی ضروریات مشکل سے پوری کر لیتے۔ چھوٹے دست کار بھی تھے جو روز مرہ استعمال کی چیزیں بناتے۔ اکثر دست کار جاگیر دار کی نگرانی میں ہوتے تھے۔ تجارت بھی منڈیوں کی کمی کی وجہ سے بہت کم تھی۔ جاگیر داروں کی تجارت کا انحصار پیداوار پر تھا۔ پیداوار کا مبادلہ ہوا تو مبادلہ کی جگہ کو منڈی کہا جانے لگا۔ جب تجارت نے صلیبی جنگوں سے فروغ حاصل کیا تو تجارت پھیلی اور اقتصادیاتی رجحان کو جنم دیا جس کا تحفظ بادشاہوں نے کیا۔ نتیجتاً دست کار "مالک دست کار" اور "مزدور دست کار" میں تبدیل ہو گئے اور تاجرانہ سرمایے نے جاگیر دارانہ سرمایے کو شکست دینا شروع کی۔ قصبے اور شہر تجارتی شہروں میں تبدیل ہو گئے۔

اس بے بسی اور جبریت کے خلاف آہستہ آہستہ آوازیں اٹھنا شروع ہو گئیں۔ کسانوں نے اپنی اہمیت کو سمجھا تو معلوم ہوا کہ جاگیر دار طبقے کا دم خم انھی سے ہے لیکن سب سے زیادہ پس ماندگی کا سامنا بھی انھیں ہی کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح کسانوں میں بغاوت کے عناصر جنم لینا شروع ہو گئے۔

انگلستان سے پہلے یورپی فیوڈل ازم کے خلاف علم بغاوت بلند ہوا۔ انھوں نے اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے ذیلی گروہ تشکیل دیے اور ہر گروہ کو مختلف سماجی مقاصد تفویض کیے، مسائل کی نوعیت کے مطابق گروہ بندی اور ان کے ارباب اختیار سے کسانوں کے تحفظات کو دور کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ اس حوالے سے انگلستان میں تیرھویں صدی (۱۲۱۵ء) کے اوائل میں بادشاہ اور جاگیر داروں کے درمیان ایک با قاعدہ معاہدہ طے پایا جس میں جاگیر داروں کے اختیارات کا تعین کیا گیا۔ اس طرح سترھویں صدی تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ ۱۶۴۹ء میں خانہ جنگی کے باعث ریاست کم زور ہو گئی اور جاگیر داروں کا پارلیمنٹ میں عمل دخل بڑھ گیا جس نے ۱۶۸۸ء میں انقلاب کی صورت اختیار کر لی۔ اس کا حتمی مفاد جاگیر داروں نے اٹھایا اور وہ پہلے سے مضبوط ہو گئے۔

یورپ میں انقلاب فرانس (۱۷۸۹ء) نے جاگیر دارانہ نظام کا بڑی حد تک خاتمہ کر دیا لیکن جاگیر دارانہ طبقہ صنعتی اور سرمایہ داری طرز معاش کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ہندوستان میں دھرتی ماں کے تقدس کے باعث جاگیر داری نظام بہت زیادہ متاثر نہ ہو سکا البتہ صنعتی ترقی نے اس نظام کو کسی حد تک کم زور ضرور کر دیا۔ جاگیر دارانہ ڈھانچے میں مغلیہ عہد نے اہم تبدیلیاں کیں۔ برصغیر کی مختلف ریاستوں نے حکومتی نمائندے مقرر کیے جو ٹیکس / لگان کی صورت میں ریاستی خزانے کو بھرنے کا کام کرتے۔ جاگیر دار کو ذیل دار کا عہدہ دیا گیا جس کا کام لگان کے ساتھ ریاستی اقدامات کا تحفظ کرنا بھی ہوتا تھا۔ ہندوؤں کے چار طبقاتی معاشرتی نظام کا عمل دخل جاگیر داری نظام کی ذیل میں بھی واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ خدمت گار طبقہ یعنی شودر علاحدہ آبادیوں میں رہتے جنھیں ریعتی گاؤں کہا جاتا تھا۔ انقلاب روس (۱۹۱۷۔۱۹۲۳ء) تک یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد روس میں جاگیر داری کے حوالے سے نمایاں اصلاحات کی گئیں۔ ۱۹۱۷ء کے بعد زرعی معیشت تیزی سے زوال پذیر ہونا شروع ہوئی۔ زرعی بد حالی جس میں انسانوں اور مویشیوں کی خوراک کی قلت، ضروریات زندگی کی قیمتوں میں اضافہ اور صنعتی بالا دستی کے خلاف کسان سڑکوں پر نکل

آئے۔ لینن (۱۸۷۰۔۱۹۲۴ء Lenin) نے کسانوں اور مزدوروں کے درمیان اتحاد قائم کرنے کا تصور پیش کیا جس کا مارکسی ایجنڈے سے گہرا تعلق ہے۔

اصلاح معاشرہ اور اصلاح معاش کے حوالے سے ضمنی طور پر کئی تحریکیں تاریخ کا حصہ ہیں لیکن عملی طور پر کسان اور مزدور بورژوای تسلط سے نہ نکل سکے۔ جاگیر داری کا یہ زوال سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد ثابت ہوا۔

۱۷۸۹ء میں جب انقلاب فرانس نے جاگیر دارانہ نظام کو ختم کر کے قرون وسطیٰ کے خاتمے کا اعلان کیا تو کسانوں کی مخالفت میں متوسط طبقے جن میں جج، وکیل، ڈاکٹر، سرکاری ملازم اور عام پڑھے لکھے لوگ شامل تھے، وہ اس نظام کے سرخیل بنے۔ فرانس سے ایک صدی پہلے انگلستان میں جاگیر دارانہ نظام کے خلاف باقاعدہ شورش کے شواہد ملتے ہیں لیکن وہ تمام کارروائیاں یورپ کے انقلاب فرانس کے موقع پر منتج ہوتی ہیں۔

صنعتی ترقی کے سرمایہ دارانہ نظام کے ارتقا سے قبل اس کے لغوی واصطلاحی حسب ذیل ہے:

Cambridge Dictionary of American English کے مطابق جائداد اور کاروبار کی نجی ملکیت پر مبنی ایک ایسا معاشی نظام جو مالکان کے لیے زیادہ سے زیادہ فائدے کا باعث بنے، سرمایہ دارانہ نظام کہلاتا ہے۔(۴)

Core Sociological Dictionary میں سرمایہ داری کو ان لفظوں میں بیان کیا گیا ہے "سرمایہ داری ایک ایسا معاشی نظام ہے جس کی بنیاد سرمایہ کی نجی ملکیت کے ساتھ ساتھ منافع کے لیے تخلیق کی گئی پیداوار اور پیداوار کے ذرائع پر ہے۔"(۵)

Longman Dictionary of English Language کے مطابق :

> ''An economic system characherized by the profit motive and the control of means of production distribution and exchange of goods by private owner slug.''(6)

Oxford English Dictionary میں شان الحق حقی (۱۹۱۷۔۲۰۰۵ء) نے اس کی تعریف یوں بیان کی ہے:

"سرمایہ داری یا وہ معاشی نظام جس میں اشیاء کی پیداوار اور تقسیم نجی سرمایہ داری اور نفع اندوزی پر مبنی ہوتی ہے۔"(۷)

جاگیر دارانہ نظام کی طرح سرمایہ دارانہ نظام بھی یورپ سے شروع ہوا۔ یورپ اور فرانس کے کسان جاگیر داری مطالبات اور پابندیوں سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ کسانوں کی بغاوت سے انھیں کچھ آزادی تو حاصل ہوئی لیکن یہ بغاوتیں جاگیر داری قوانین کے مکمل خاتمے میں ناکام رہیں لیکن نتیجتاً ان کی حالت پہلے کے نسبت بہتر ہو گئی۔ بہ قول ڈاکٹر سید جعفر احمد (پ:۱۹۵۷ء):

"مزدوروں کی قابل رحم معاشی اور معاشرتی حالت کی اہم وجہ عام بے روزگاری اور جاگیر دارانہ فیوڈل ازم کلچر کا اثر تھا۔"(۸)

چناں چہ صدیوں پر محیط جاگیر دارانہ نظام کے اختتام سے سرمایہ دارانہ صنعتی ترقی کے دور کا آغاز ہوا۔ تاریخ کے درمیانی دورانیے کے ساتھ موجودہ نئے دور کی ابتدا کو بورژوای کلچر کا نام دیا گیا۔ اس اصطلاح کا مطلب حاکم یا وسائل کے مالک کا ہے۔

قرونِ وسطیٰ کے بادشاہوں کو ریاست اور جنگی وسائل سے نبرد آزما ہونے کے لیے جب جب کثیر سرمایے کی ضرورت پیش آتی تو وہ سرمایہ داروں، سوداگروں اور بینکوں سے سود پر قرض لیتے۔ یہ سرمایہ داری کی پہلی باقاعدہ شکل تھی۔ فرانس اور انگلستان کی جنگوں کے بعد جب قومی ریاست کا تصور اُبھرا تب تک اس کا کردار جاگیر دارانہ تھا۔ وسائل پر تسلط کے بعد بورژوای طبقے نے آواز اُٹھائی اور مالی اور انسانی وسائل کو بطور طاقت استعمال کر کے خود کو عوامی نمائندے کی صورت میں پیش کیا چناں چہ سلطنت کے معاملات میں اثر و رسوخ قائم کرنے کے لیے سیاست میں اپنے عمل دخل کو بڑھایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جاگیر داری کے نتیجے میں حاصل ہونے والے وسائل اور دولت نے آزادانہ تجارت کی بنیاد رکھی اور ایک نیا سماج اور معاشی نظام قائم ہوا۔

اس صنعتی نظام کی آمد نے چین جیسی زرعی معیشت کو بھی متاثر کیا۔ تین ہزار سال سے قائم جاگیر دارانہ زرعی نظام جب صنعتی نظام میں تبدیل ہونا شروع ہوا تو چھوٹی صنعتوں کی دگرگوں حالت کے ساتھ بڑی صنعتوں کی پیداوار نے کسانوں پر منفی اثرات مرتب کیے۔ ۱۸۸۰ء میں جب سرمایہ دارانہ نظام کی پختہ شکل سامنے آئی تو چین نے سوشلسٹ نظریات کی بنیاد پر تمام صنعتوں کو سرکاری تحویل میں رکھا۔ اس کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مزدوروں کو مالی تحفظ فراہم ہو گیا اور ساتھ ہی کسانوں کی حالت میں بھی بہ تدریج بہتری آنا

شروع ہوگئی۔ اس نظام میں کسانوں کو کاشت کاری کے لیے مشینوں کی فراہمی، زرعی ادویات اور دیگر ضروریات کا ذمہ حکومت کے سر رہتا۔ اس کے بدلے میں حکومت کاشت کاروں کو وہ بنیادی سہولتیں فراہم کرنے کی مجاز ہوتی جن کے وہ حق دار ہوتے۔ اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ کسی بھی کاشت کار کو زمین کی ملکیت نہ دی جاتی۔ اس طرح جاگیر دارانہ نظام اور سرمایہ دارانہ نظام سے حاصل ہونے والی دولت پر ریاست کا اختیار ہوتا۔ آزاد تجارتی مقابلے کی فضا کا تصور ختم ہوتے ہی صنعتی اجارہ داری کا تصور بھی ماند پڑ گیا۔ اس سے سرمایہ دارانہ نظام میں تیزی سے ترقی ہوئی اور چند برسوں میں ہی چین ملکی ضروریات پوری کرنے کے بعد بیرون ممالک تجارتی منڈیوں کی کھوج میں لگ گیا۔

چین کے مقابلے میں دیگر ممالک کی صنعتی ترقی کا نظام مختلف ہے۔ سرمایہ دارانہ ممالک نے اپنی سلطنت کو وسیع کرنے کے لیے غریب ممالک پر قبضہ کرنا شروع کر دیا اور انھیں اپنی کالونی یا نو آبادیات بنالیا۔ اس کی روشن مثال انگلستان کی ہے جس کی عمل داری میں کبھی سورج غریب نہیں ہوتا تھا۔ ان ممالک نے جب دوسری ریاستوں پر قبضہ کیا تو ان کے معاشی ذرائع قابو کرنے کے علاوہ وہاں کے رسم و رواج، تہذیب، تاریخ، ثقافت یہاں تک کہ زبان پر بھی اثرات مرتب کیے جسے سماجی استحصال کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کی بدترین صورت یورپ خصوصاً فرانس اور اسپین میں نظر آتی ہے جہاں مخصوص اوقات سے زیادہ جبری مشقت لے کر مزدوروں کا استحصال کیا جاتا جس سے مزدوروں کی اموات حتیٰ کہ نسل کشی کی نوبت آگئی۔ اس جبریت کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ تجارت کو اس حد تک مضبوط کر لیا جائے کہ ریاست بھی آپ کی رہین منت رہے۔ چناں چہ تجارتی نظریہ زر (Merchantialism) کے تحت زمین کی ضبطی کے قوانین وضع کیے گئے۔ ایک دوسرے سے مبادلے کے لیے سونا اور چاندی بہ طور کرنسی استعمال ہونے لگے۔ نتیجے میں درآمدی اشیا پر ٹیکس لگائے گئے جس سے ریاست کو بالواسطہ فائدہ ہوا۔

مقبوضہ ممالک کے خام مال کے وسائل پر بلا شرکت غیرے اپنا حق تسلیم کیا جاتا اور ان وسائل کو اپنے ممالک میں منتقل کر لیا جاتا یا وہاں پر یعنی نو آبادیوں میں ایسی صنعتیں لگائی جاتیں جن کے ذریعے مالی مفادات کا حصول زیادہ تیزی سے ممکن ہوتا۔ البتہ یہ کوشش ضرور کی جاتی کہ وہی صنعتیں مقامی افراد نہ لگا سکیں۔ تاریخ میں یہ صورت حال آئرلینڈ، امریکا اور ہندوستان میں زیادہ واضح طور پر دیکھنے کو ملتی ہے۔ اس کا بھرپور پس منظر کارل مارکس (۱۸۱۸ء۔۱۸۸۳ء Karl Marx) نے یوں بیان کیا ہے:

دھری یسیر/تقدیم منظور 80

”سولھویں صدی میں یورپ میں سونے چاندی کی مقدار جو گردش کر رہی تھی بہت بڑھ گئی کیوں کہ پتہ چلا کہ امریکا کی کانوں میں سونا چاندی بھرا پڑا ہے اور زر آسانی سے ہاتھ آنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اس کی بہ دولت یورپ میں دوسرے مالوں کے مقابلے میں سونے چاندی کی قدر گر گئی مگر مزدوروں کو اپنی قوت محنت کے بدلے چاندی کے سکوں میں اتنی ہی رقم ملتی رہی جتنی پہلے ملتی تھی۔ ان کی محنت کی قیمت رقم میں تو اُتنی ہی رہی لیکن اُن کی کمائی گر گئی کیوں کہ اتنی ہی رقم کے بدلے اب دوسرے مالوں کی کم مقدار ملتی تھی۔ یہ بھی ایک سبب تھا کہ جس کی بدولت سولھویں صدی میں سرمایہ کافی بڑھ گیا اور بورژوای کو عروج حاصل ہوا۔“(۹)

اس نظام کا سب سے زیادہ نقصان یہ ہوا کہ کسانوں کو مالی معاملات سے بے دخل کرنے پر بے روزگاری در آئی اور یوں جرائم کی دنیا کے کلچر کا اضافہ ہوا جسے عرف عام میں Underworld کہتے ہیں۔ یورپ کی مثال سے اس معاشرتی ابتری کا اندازہ ہو گا کہ صرف ہالینڈ کی ایک چوتھائی آبادی اس جبری استحصال کے نتیجے میں بھیک مانگنے پر مجبور ہو گئی۔ یہی حال فرانس کا تھا۔ بہ قول باری علیگ(۱۹۰۶۔۱۹۴۹ء):

”ان مظالم نے فرانس میں گداگروں کی تعداد میں اضافہ کر دیا تھا۔ انھیں مطبخ کی جگہ زنداں بھیج دیا جاتا۔ ۱۷۶۷ء میں پچاس ہزار گداگر گرفتار کیے گئے لیکن دس برس بعد ان بے ساز و برگ انسانوں کی تعداد دس لاکھ سے زیادہ تھی۔“(۱۰)

اس صورت حال کو مہمیز تب ملی جب کسانوں نے بغاوت کرتے ہوئے کاشت کاری سے انکار کر دیا۔ اس کا زیادہ نقصان خود کاشت کاروں کو ہوا کیوں کہ وہ پہلے ہی بے دست و پا تھے چناں چہ ایک نئی افتاد نے قحط کی صورت میں جنم لیا۔ ایک طرف جرائم پیشہ افراد، دوسری طرف قحط اور خوراک کے وسائل کی کمی اور تیسری طرف سرمایہ داروں کی تجوریوں میں مسلسل اضافہ۔ ان تمام عوامل نے یورپ کے معاشی ڈھانچے کو زمین بوس کر دیا۔ ایسی ہی صورت حال کا سامنا ہندوستان کو کرنا پڑا۔

۱۶۰۰ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان کے استحصال کا سبب بنی۔ حاکم طبقے کا مقامی آبادیوں کے ساتھ ظالمانہ اور بے رحمانہ سلوک ہندوستان کے معاشی ڈھانچے کے ٹوٹنے کا باعث بنا۔ ۱۸۱۳ء تک انگریزوں کی قائم کردہ صنعتوں نے ہندوستان کے پیداواری نظام اور سرمایے پر جابرانہ قبضہ کر لیا۔ مستزاد یہ کہ خام مال درآمد ہونا شروع ہو گیا اور ہندوستانی سرمایہ براہ راست برطانیہ منتقل ہونے لگا جس نے مقامی

صنعت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دیا۔ یوں حاکم طبقے سے متعلق ممالک ترقی یافتہ کہلائے جب کہ استحصال شدہ کالونیاں تیسرے درجے کے ممالک قرار پائے جس کے لیے تیسری دنیا(Third World) کی اصطلاح رائج ہوئی۔

اس معاشی بھاگ دوڑ کی صورت حال نے ترقی یافتہ ممالک میں مقابلے کی فضا کو جنم دیا جسے صنعتی سرمایہ داری(Competitive Industrial Capitalism) کہا جاتا ہے۔ صنعتی سرمایہ داری کی بنیاد پیداواری ذرائع بڑھانے کے لیے مختلف ایجادات پر رکھی گئی۔

۱۷۶۴ء میں جیمز ہارگریوز (۱۷۲۰۔۱۷۷۸ء James Hargreaves) نے سوت کاتنے کی مشین ایجاد کی۔ ۱۷۶۵ء میں جیمز واٹ (۱۷۳۶۔۱۸۱۹ء James Watt) نے بھاپ کا انجن ایجاد کیا۔ ۱۷۷۵ء میں آرک رائٹ (۱۷۳۲۔۱۷۹۲ء Arkwright) نے سوتی کپڑے کی دیگر مشینیں ایجاد کیں۔ ۱۸۰۵ء میں کارٹ رائٹ (۱۷۴۳۔۱۸۲۳ء) نے بھاپ سے کرگھے جلانے کا آغاز کیا تو دو سال بعد انجن بھٹیاں بھاپ سے چلنے لگیں۔

ان ایجادات نے پیداوار میں کثیر اضافہ کیا۔ یورپی ممالک کا تجارتی محور درآمد کی بہ جائے برآمد پر منتقل ہو گیا جس کا منطقی نتیجہ مقامی صنعت کی تباہی کی صورت میں نکلا۔ اسی زمانی وقفے میں بینکنگ کا آغاز ہوا۔ جس نے سرمایہ کی گردش کو اپنے قابو میں کیا۔ صنعتی ترقی اور مقامی استحصال اسی کے ثمرات ہیں۔

اس صنعتی ترقی نے عالمی منڈیوں کو اپنے زیر اثر رکھنے کے لیے عسکری طاقت کے فروغ پر زور دیا۔ اس طرح بہ زور طاقت تجارت کا تصور سامنے آیا۔ وسیع پیمانے پر استحصال کی اس فضا کو تادیر برداشت نہ کیا گیا۔ مزدوروں اور مقامی صنعت سے متعلق افراد کی بغاوتیں دنیا بھر کی خبروں کی زینت بننا شروع ہوئیں۔ ہندوستان میں انگریز حکم رانوں کو مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ پلاسی کی جنگ (۲۳جون ۱۷۵۷ء) مثال کے طور پر پیش کی جاسکتی ہے۔ ان بغاوتوں اور جنگوں کا اختتام ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی پر ہوا۔ ہندوستان میں ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک نوے برسوں میں جو لوٹ مار کی گئی، تاریخ میں ایسی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ یورپ اور دیگر ممالک میں جو کالونیاں برطانوی قبضے سے نکل گئیں اس نقصان کی بھرپائی ہندوستانی ذخائر سے پوری کی گئی۔

اس بے دریغ تجارت نے محنت کش طبقے کو جس تباہ حالی سے دوچار کیا اس کے بعد یہ ممکن ہی نہ رہا کہ مزدور کا معیارِ زندگی پست ترین سطح پر بھی متعین ہو سکے یعنی مزدوروں کی تنخواہوں میں چھوٹی چھوٹی وجوہ پر کٹوتیاں، اوقات کار میں دوگنا اضافہ اور زیادہ سود پر قرض دے کر ہمیشہ کے لیے غلام بنانا عام سی بات ہے۔ سود کی عدم ادائگی پر جسمانی تشدد، بیوی بچوں سے زبردستی بیگار سے ان میں تھوڑی بہت زندگی کی جو رمق تھی وہ بھی ختم ہونا شروع ہوگئی۔ سرمایہ دار غلاموں کی طرح مزدوروں سے کام لیتے اور جب وہ جسمانی طور پر کام کرنے کے قابل نہ رہتے تو انھیں مرنے کے لیے باہر پھینک دیا جاتا اور ان کی جگہ نئے غلام بھرتی کر لیے جاتے۔ بہ قول کارل مارکس:

> ”مشین کاری کے دور میں سرمایہ دار مزدور کے کام کرنے کا دن اتنا طویل کر دیتا ہے کہ سماج کا ضمیر کانپ اٹھتا ہے۔“(۱۱)

قبل از وقت مزدوروں کی بڑی تعداد میں اموات کے باعث مزدور منظم ہونا شروع ہوئے اور سراپا احتجاج بن گئے۔ سرمایہ داروں نے طاقت کا استعمال کر کے انھیں قابو کرنے کی کوشش کی، نتیجتاً دنیا بھر میں مزدوروں نے مشینیں توڑنے کی تحریک (Liddite) کا آغاز کیا۔ اس تحریک نے ۱۸۱۱ء میں جنم لیا جب کہ ۱۸۱۲ء میں اس کے خلاف سزائے موت تجویز کی گئی۔ اس سزا نے احتجاج اور تحریک کی نوعیت کو تبدیل کر دیا۔ نتیجتاً ۱۸۲۴ء میں انگلستان میں پہلی ٹریڈ یونین وجود میں آئی جس کی کاوشوں سے ۱۸۳۳ء میں چارٹسٹ تحریک شروع ہوئی۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ سرمایہ داروں کی نجی محفلوں میں مزدوروں نے اہمیت اختیار کر لی۔ یورپ میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملکوں کی تاریخ میں بورژوا طبقے اور پرولتاریوں کی باہمی کش مکش اسی تناسب سے سامنے آئی جس تناسب سے ایک طرف تو جدید صنعت کا ارتقا ہوا اور دوسری طرف بورژوا طبقے کا نیا نیا حاصل کیا ہوا سیاسی اقتدار بڑھا۔ روس میں بالشویک انقلاب اور ہندوستان میں سودیسی تحریک انھی نظریات کے تتبع کی مثالیں ہیں۔ ۱۹۱۴ء تک دنیا کا پچاسی فیصد حصہ سامراجیوں کے قبضے میں آ گیا اور باقی پندرہ فیصد پر بھی سامراجی طاقتوں کا غیر محسوس اثر تھا۔ اس طرح پوری دنیا سامراجی طاقتوں کے زیر اثر آ گئی۔

انگریزی استعمار کی منفی بالادستی سے صنعتی میدان میں جو ترقی ہوئی اس کا ردعمل انتہائی ہول ناک تھا جسے تاریخ میں جنگ عظیم اول (۱۹۱۴۔۱۹۱۸ء) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جب کہ معاشیات کی زبان

میں اسے Anarchi Capitalism کہتے ہیں۔ ۱۹۱۴ء سے قبل کا دور سامراجیوں کے معاشی مفادات کے ٹکراؤ کا دور کہلاتا ہے۔ یہ ٹکراؤ تجارت، عیسائیت اور مہذب ہونے کے عوامل، عسکری مفادات و ضروریات، قومی وقار، قومیت، نسل پرستی، سوشل ڈاورنزم اور بڑھتی ہوئی آبادی کی مقبوضہ علاقوں میں منتقلی کی صورت میں وقوع پذیر ہوا اس ٹکراو میں معاشی مفادات کو بہ ہر حال اولیت حاصل رہی۔ جنگ عظیم اول کے بعد تجارت اور ادائگیوں میں عدم توازن نے خانہ جنگی کو جنم دیا۔ جنگ میں شامل ہر ملک معاشی بحران کا شکار ہو گیا اور خانہ جنگی کی صورت حال نے جنم لیا۔ ۱۹۴۵ء میں دوسری جنگ عظیم کی اہم وجوہات میں سرمایہ دارانہ نظام کو لگنے والے زک بنیادی محرک ثابت ہوا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد جب بڑے سرمایہ دار معاشی جنگ و جدل میں مصروف تھے تو روس میں مزدوروں کا عظیم بالشویک انقلاب برپا ہوا اور اشتراکی نوعیت کا تصور سامنے آیا۔ اس معیشت میں ان لوگوں نے معیشت، صنعت، تجارت، زراعت، مالیات، ذرائع رسل و رسائل یہاں تک کہ ادب ثقافت تک میں اجتماعی محنت اور اجتماعی مفاد کی بنیاد بنائی اور آزاد مقابلے کی "انارکی، سرمایہ دارانہ معیشت" کی بے ربطگی کو الوداع کہہ دیا۔ اس کے لیے کارخانوں، ملوں، فیکٹریوں، بینکوں اور ریلوں کو ذاتی ملکیت سے آزاد کروایا گیا اور ان کو مزدوروں اور کسانوں کی سوویتوں کے سپرد کر دیا گیا۔

اس رویے نے ریاستی تسلط کی سرمایہ داری یعنیState monoply Capitalism کی بنیاد رکھی۔ معاشی طور پر دنیا دو حصوں میں منقسم ہو گئی، ایک سوشلسٹ بلاک اور دوسرا سرمایہ دار بلاک۔ اس مناپلی کے تحت تجارت اور معیشت کو ریاست کے اختیار میں کر کے نجی ملکیت کے تصور کو برقرار رکھا گیا جس سے یورپ نے خاطر خواہ فائدہ اُٹھایا۔ گردشی سرمایے کو قابو کرنے کے لیے بڑے ممالک نے نوآبادیاتی کالونیوں کو آزاد کرنا شروع کر دیا۔ آزادی کی ان تحریکوں کا محرک بورژوای طبقہ تھا۔ یہی وہ دور تھا جب ریاستی سطح پر سائنسی ایجادات سے ایک انقلاب برپا ہوا۔ سیکڑوں ملٹی نیشنل کمپنیاں معرض وجود میں آگئیں جن پر بورژوا طبقے کی اجارہ داری تھی۔ اس اجارہ دارانہ سرمایے اور ریاستی گٹھ جوڑ سے مزدوروں اور کسانوں کا استحصال مزید بڑھ گیا یہاں تک کہ بڑے ممالک نے ریاستی سطح پرmonoplization شروع کر دی جس سے ریاست پر بینکوں اور صنعت کاروں کا اثر و رسوخ بڑھ گیا اور وہ اپنے معاشی مفادات کا تحفظ کرنے والی حکومتیں بنانے پر قادر ہو گئے۔ اس کا زور ۱۹۷۰ء میں ٹوٹا جب آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک نے منظم

سرمایہ داری یعنی Regulated Capiltalism کا تصور دیا۔ بڑے سرمایہ دار ممالک ٹیکنالوجی میں اپنی اجارہ داری قائم کرنے لگے اور دوسرے ممالک کو ٹیکنالوجی کی بہ جائے انتہائی مہنگے داموں متعلقہ مصنوعات بیچنے لگے۔ اس سے اسلحے کی ایک دوڑ لگ گئی۔ پہلے دو ممالک کے درمیان تنازعات کو شدت دی جاتی اور انھیں جنگ کے دہانے پر لا کھڑا کرتے۔ پھر دونوں ممالک کو جنگ لڑنے کے لیے اپنا اسلحہ بیچتے۔ اس طرح مختصر دورانیے میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی سے انقلابات کا تسلسل نظر آتا ہے۔ بھاپ کا انجن ایجاد ہوا تو پہلا صنعتی انقلاب رونما ہوا۔ تیل، بجلی کو توانائی کے طور پر استعمال کرنے سے دوسرا انقلاب تاریخ کا حصہ بنا جسے کیمیکل اور آٹو موبائل صنعت نے تقویت دی۔ الیکٹرونکس، ٹیلی کمیونی کیشن اور بائیو کیمسٹری کا تعلق تیسرے انقلاب سے ہے۔

الغرض ہر نئی ایجاد نے معاشرے میں انقلابی تبدیلیوں کی راہ ہموار کی جس سے بالآخر استحصال کسان، مزدور اور عام انسان کا ہوا۔ سرمایہ دارانہ نظام نے جس طرح پوری دنیا کے مزدوروں اور کسانوں کا استحصال کیا وہ ہمارے سامنے پوری طرح عیاں ہے۔ درحقیقت یہ استحصالی نظام تھا جس کے خلاف کمیونزم اور سوشلزم جیسی تحریکات متحرک ہوئیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کی خامیاں یا برائیاں جو اس کی مخالفت کا سبب بنیں ان کا خلاصہ یہ ہے :

۱۔ سرمایہ دارانہ نظام کی سب سے بڑی خرابی شخصی ملکیت اور شخصی آزادی تھی۔

۲۔ صنعتی انقلابات نے پیداواری طریقوں میں نمایاں تبدیلیاں پیدا کیں جس سے انسانی طاقت کے متبادل کے طور پر مشینوں کا استعمال کیا جانے لگا۔

۳۔ سرمایہ داری کے باعث بے روزگاری اور غربت میں بے پناہ اضافہ ہوا۔

۴۔ اس غربت و افلاس نے کئی قسم کے معاشی بحران پیدا کیے۔

۵۔ سرمایہ دارانہ نظام میں اجتماعی خوش حالی یا ترقی کی بہ جائے ذاتی معاشی مفادات کو ترجیح دی گئی۔

۶۔ اس نظام نے سودی نظام کو جنم دیا جس نے عام انسان کی زندگی کو اجیرن کر کے رکھ دیا۔

۷۔ ایک ایسا معاشرہ سامنے آیا جس نے انسانی، اخلاقی، مذہبی، تہذیبی اور معاشرتی اقدار کو متاثر کر دیا۔

۸۔ اس نظام نے نئے عالمی نظام کو جگہ دی اور پوری دنیا کی معاش، سیاست اور عسکریت کو قابو کرنے کے لیے New World Order لاگو کیا گیا اور اس طرح امریکا پوری دنیا کی سپر پاور بن گیا جس نے امریکا کی اس حیثیت کو چیلنج کیا اس کا خاتمہ فرض قرار دیا گیا جس کی بڑی مثال روس ہے۔

نیو ورلڈ آرڈر (۱۹۹۰ء) کی تفاصیل سے گریز کرتے ہوئے ڈاکٹر محمود احمد غازی (۱۹۵۰۔۲۰۱۰ء) کی اس رائے کو دیکھیے :

> ”نیو ورلڈ آرڈر سے مراد دنیا کی آیندہ سیاسی صورت حال کے بارے میں آج کی بالادست قوتوں کی سوچ کا ایک انداز ہے۔ آج کی طاقت ور قومیں مستقبل میں دنیا کو جس طرح چلانا چاہتی ہیں، اس کا نام ورلڈ آرڈر ہے۔“(۱۲)

اس ورلڈ آرڈر نے دنیا کی معاش کو اپنے قابو میں رکھا اور اسی کے رد عمل میں نائن الیون کا واقعہ وقوع پذیر ہوا جس کے اثرات آج بھی عالمی معیشت پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(1) Victoria Neufeldt, David B. Guralink, *Webster's New World Dictionary*, Third College Edition, (USA Prentice Hall, 1994),501.

(2) *The New encyclopedia Britannica*, volume x, Encyclopedia Britannica.

(۳) جمیل جالبی، قومی انگلش اردو ڈکشنری، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۲ء)،۳۶۷۔

(4) *Cambrige Dictionary of American English*, (United Kingdom: Cambrige Univeristy Press, 2000),120.

(5) Chris Jenks, *Core Sociological Dictionary*, (London U.K)

(6) *Longman Dictionary of English Language*, (UK: Longman group, 1991),238.

(7) Shan Ul Haq Haqi, *Oxford English Urdu Dictionary*, (Oxford University Press, 2003),204.

(۸) سید جعفر احمد، پاکستان کی مزدور تحریکیں (ترتیب و تدوین)، (کراچی: ماسن پرنٹرز، ۲۰۱۲ء)،۴۷۔

(۹) کارل مارکس، مزدوری اور سرمایہ ، (لاہور: جدوجہد پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء)،۳۶۔

۱۰۔ باری علیگ، کمپنی کی حکومت ، (لاہور: طیب پبلشرز، ۲۰۰۶ء)،۱۴۰۔

۱۱۔ کارل مارکس، سرمایہ ، مترجم، م م جوہر میرٹھی، (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۰۰ء)،۹۷۔

۱۲۔ محمود احمد غازی، اسلام اور مغرب تعلقات، مدون: عزیز الرحمن سید، (کراچی: دار العلم والتحقیق برائے اعلیٰ تعلیم و ٹیکنالوجی، ۲۰۱۲ء)، طبع دوم، ۲۵۰۔

BIBLIOGRAPHY

- Bari Agaiq, *Company ki Ḥakūmat*, (Lahore: Tayyab Publishers, 2006).
- *Cambrige Dictionary of American English*, (United Kingdom: Cambrige Univeristy Press, 2000).
- Chris Jenks, *Core Sociological Dictionary*, (London U.K)
- Jameel Jalbi, *Qaumī English Urdū Dictionarī*, (Islamabad: Muqtadra Qaumi Zuban, 1992).
- Karl Marx, (Trans.), M.M Johar Merathi, *Sarmāyah*, (Lahore: Fiction House 2000).
- Karl Marx, *Mazdūr aur Sarmāyah,* (Lahore: Jiddo Jehad Publication 2004).
- *Longman Dictionary of English Language*, (UK: Longman group, 1991).
- Mehmood Ahmad Ghazi, *Islām aur Maghrib Ta'lluqāt*, (Ed.), Syed Aziz al-Rehman, (Karachi: Dar al-Ilm, 2012).
- Shan Ul Haq Haqi, *Oxford English Urdu Dictionary*, (Oxford University Press, 2003).
- Syed Jaffar Ahmad, (Comp.) *Pākistān Ki Mazdūr Taḥrīkain̲*, (Karachi: Masin Printers, 2012)
- *The New encyclopedia Britannica*, volume x, Encyclopedia Britannica.
- Victoria Neufeldt, David B. Guralink, *Webster's New World Dictionary*, Third College Edition, (USA Prentice Hall, 1994).

❖❖❖